

نصوص قرآن و حدیث کی تعبیر میں علامہ اقبال کے اسلوب کا اختصا صی مطالعہ
A specific study of Allama Iqbal's style in interpreting the
texts of the Qur'an and Hadith

Dr. Hafiz Muhammad Idrees

Lecturer and Researcher Minhaj-ul-Qur'an Islamic Centre, Denmark

Email: idreesqadri@gmail.com

ORCID: <https://orcid.org/0000-0002-4747-1358>

Syed Sajjad Haidar

PhD Research Scholar, Islamic Studies department, The Islamia University Bahawalpur.

Email: sajjadhamdani1@gmail.com

ORCID: <https://orcid.org/0000-0003-4469-0376>

Muhammad Abu Bakar

Librarian, Farid-e-Millat Research Institute.

Email: faizi9423@gmail.com

ORCID: <https://orcid.org/0000-0001-7754-8160>

ABSTRACT:

In the Writings of Muhammad Iqbal, there are many verses which have been quoted. He used many hints and allusions of The Holy Quran and Hadith in his poetry. As it is his prose has filled with Quranic verses. Muhammad Iqbal somewhere presented these verses to support his stance, and somewhere by quoting and interpreting these verses he strived to explore the common issues of humanity. Muhammad Iqbal had wanted to write some notes on Quran, but he could not do it due to death. When interpreting the scriptures, Muhammad Iqbal often adhered to the standard commentators' interpretations while also deriving a number non-traditional meanings and thoughts. Despite this outlook, he has repeatedly stated that his method is consistent with the Prophetic methodologies and Qur'anic principles. In this research, his style of interpretation and explanation had been researched and critically evaluated.

Keywords:

Verses, Prophetic Methodologies, Non-traditional, Interpretation

علامہ محمد اقبال رحمہ اللہ کے افکار و تصانیف میں جا بجا قرآنی آیات کا استعمال نظر آتا ہے۔ شاعری میں انہوں نے قرآن و حدیث کو بطور اشارات و تلمیحات بکثرت استعمال کیا ہے۔ اسی طرح نثر بھی قرآنی آیات سے بھری پڑی ہے۔ علامہ محمد اقبال نے ان آیات کو بعض جگہ پر بطور دلیل پیش کر کے اپنے موقف کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے تو کسی جگہ

انسانیت کے مشترکہ مسائل کا حل ڈھونڈنے کے لیے قرآنی نصوص کی تعبیر و تشریح کے ذریعے عہد حاضر کے انسان کے لیے موزوں مفہیم اخذ کیے ہیں۔ علامہ محمد اقبال نے قرآنی نصوص کی تعبیرات کرتے ہوئے کئی جگہوں پر روایتی مفسرین کی پیروی کی ہے اور کئی جگہوں پر غیر روایتی معانی و مفہیم بھی اخذ کیے ہیں باوجود اس رویہ کے انہوں نے کئی مقامات پر اس بات کا اظہار کیا ہے کہ انکی یہ روش نبوی ﷺ طریق اور قرآنی اصول اسالیب سے ہٹ کر نہیں ہے۔ اس تحقیق میں ان کے اسلوب تعبیر و تشریح کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔

کلیدی الفاظ: نصوص، غیر روایتی مفہیم، اسلوب تعبیر، نبوی ﷺ طریق، قرآنی اصول

تعارف

نص کا لغوی معنی:

نص مصدر ہے جس کا مادہ ن، ص، ص ہے اور اس کا باب نصر ینصر ہے۔ لغویین نے اسکی مختلف معانی بیان کیے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

ابن منظور افریقی نص کے بارے میں لکھتے ہیں:

النَّصُّ: رَفَعَكَ الشَّيْءُ يَقَالُ: نَصَّ الْحَدِيثَ إِلَى فُلَانٍ أَيْ رَفَعَهُ. (1)

تمہارا کسی چیز کو بلند کرنا یا اٹھانا نص کہلاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے حدیث کو فلاں کی طرف منصوص کیا یعنی اسے اٹھایا۔

ابراہیم نے نص کا معنی جامع انداز میں اس طرح بیان کیا:

صِيغَةُ الْكَلَامِ الْأَصْلِيَّةِ الَّتِي وَرَدَتْ مِنَ الْمُؤَلِّفِ وَمَا لَا يَحْتَمِلُ إِلَّا مَعْنَى وَاحِدًا أَوْ لَا يَحْتَمِلُ التَّأْوِيلَ وَمِنْهُ قَوْلُهُمْ: لَا اجْتِهَادَ مَعَ النَّصِّ. (2)

نص سے مراد مؤلف کا ذاتی کلام ہے۔ جو ایک ہی معنی کا احتمال رکھتا ہے اور تاویل کا احتمال نہیں رکھتا۔ جیسا کہ اصولیین کا یہ قول ہے کہ نص کی موجودگی میں اجتہاد درست نہیں۔

البستانی نص کے بارے میں اس طرح لکھتے ہیں:

تَسْتَعْمَلُ كَلِمَةَ نَصٍّ بِمَعْنَى الْأَمْلَاءِ وَالْإِنْشَاءِ نَصَّ الْكِتَابَ لِفُلَانٍ وَعَلَى فُلَانٍ. (3)

عربی زبان میں نص کا لفظ املاء و انشاء میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ فلاں نے فلاں کے لیے کتاب، نص کی یعنی لکھی۔

مندرجہ بالا لغوی تعریفات میں جو چیز مشترک ہے وہ یہ ہے کہ کسی کلام کا کسی کی طرف اس طرح انتساب کرنا کہ گویا یہ الفاظ ومعانی اسی کی طرف سے ہی وارد شدہ ہیں۔

ان لغوی تعریفات کے بعد نص کی جامع اصطلاحی تعریف مندرجہ ذیل ہے۔

نص کی اصطلاحی تعریف:

الشاشی نے نص کی تعریف نہایت اختصار کیساتھ یوں کی ہے:

ما سبق الكلام لاجله⁽⁴⁾

وہ جس کی خاطر کلام صادر ہوا نص کہلاتا ہے

القادری نص کی اصطلاحی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قرآن وحدیث کی ظاہری عبارت کو اصطلاح میں نص کہتے ہیں۔⁽⁵⁾

تعبیر کا لغوی معنی:

تعبیر کا مادہ ع، ب، ر ہے تعبیر کا لفظ بروزن باب تفعیل مصدر ہے۔ عِبْرَ بَابِ تَفْعِيلٍ سے فَعْل کے وزن پر ہے۔

ابن منظور لفظ تعبیر کا لغوی معنی واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

من عبّر الرؤيا يعبرها: فسرها وأخبرها بما يؤول إليه أمرها، وعبر عما في نفسه:

اعرب وبين بالكلام.⁽⁶⁾

ترجمہ: تعبیر کا لغوی معنی تفسیر اور خبر دینا ہے جیسے عبّر الرؤيا یعنی خواب کی تفسیر بیان

کرنا: جو مافی الضمیر ہے اس کو کلام کے ذریعے سے واضح کرنا۔

عِبْرَة اور تعبیر دونوں کا مادہ "عبر" ہے۔ عِبْرَة کے بارے میں المعجم الوسيط میں درج ذیل توضیح کی گئی ہے:

ابراھیم تعبیر کا لغوی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والعبارة: ما بين ما في الضمير من الكلام. يقال: هذا الكلام عبارة عن كذا.⁽⁷⁾

العِبْرَة: وہ کلام جس میں اظہار مافی الضمیر ہو۔ یعنی اس کا مطلب فلاں ہے

تعبیر کا اصطلاحی معنی:

تعبیر کی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے جابر لکھتے ہیں:

هو الطريقة التي يصوغ بها الفرد أفكاره وأحاسيسه وحاجاته وما يطلب إليه صياغته

بأسلوب صحيح في الشكل والمضمون.⁽⁸⁾

ترجمہ: تعبیر سے مراد ایسا طریقہ جو انسان اپنے افکار، احساسات اور ضروریات کو شکل و مضمون کے اسلوب میں بیان کرتا ہے۔

نایف کے مطابق تعبیر کی تعریف کچھ یوں ہے:

وهو الابانة والافصاح عما يحول في خاطر الانسان من افكار ومشاعر بحيث يفهم الآخرون⁽⁹⁾

ترجمہ: انسان کا اپنے دماغ کے اندر آنے والے افکار و احساسات کو بیان کرنا تعبیر کہلاتا ہے۔

لفظ "تعبیر" کا قرآن میں استعمال

اگرچہ قرآن حکیم میں تعبیر کا صیغہ استعمال نہیں ہوا۔ تاہم عبری جبر سے جمع مذکر مخاطب کا فقط ایک صیغہ "نعبرون" استعمال ہوا ہے۔⁽¹⁰⁾

ارشادِ بانی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي رُؤْيَايَ إِن كُنْتُمْ لِلرُّؤْيَا تَعْبُرُونَ﴾⁽¹¹⁾

اے درباریو! اگر تم خوابوں کی تعبیر جانتے ہو تو میرے خواب کے بارے میں مجھے جواب دو۔

مندرجہ بالا آیت قرآنیہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کسی بھی امر کی جو تشریح و توضیح کی جاتی ہے اسے تعبیر کہتے ہیں۔

نص اور تعبیر کی مندرجہ بالا لغوی و اصطلاحی بحث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نص کی تعبیر سے مراد وہ کوشش یا عمل ہے جس کے ذریعے تعبیر کرنے والا بنیادی تفسیری اصولوں اور حالاتِ زمانہ کی رعایت کرتے ہوئے قرآن و حدیث کے متون کی تشریح کو کرتا ہے۔

علامہ اقبال نے نصوص کی تعبیرات کے حوالے سے کلامی، علمی اور سائنسی اندازِ تعبیر اختیار کیا ہے۔ منتقدین میں ایک محدود تعداد نے لیکن متاخرین کی ایک خاصی تعداد نے علمی و سائنسی اسلوبِ تعبیر اختیار کیا ہے۔ اس حوالے سے چند آراء و اقتباسات پیش کیے جائیں گے تاکہ یہ واضح ہو کہ یہ اسلوب اختیار کرنے میں علامہ اقبال رح تنہا نہیں ہے بلکہ چوٹی کے علماء نے نہ صرف اسے اپنایا بلکہ اس حوالے سے اہم کام کر کے اس اندازِ تعبیر کی اہمیت بھی واضح کر دی ہے۔ قرآن کے حکم غور و فکر کو بنیاد بنا کر علامہ اقبال رح نے ایسا طرزِ استدلال و انطباق اختیار کیا ہے جس میں بیک وقت روایت و قدمت کی جھلک بھی ہے اور جدت کا رنگ بھی شامل ہے۔ ظاہری بات ہے علامہ اقبال رح نے ایسا طریقہ اختیار کر کے جدید ذہن کو قرآن کی اہمیت کا احساس دلایا ہے۔ اسی طرح امتزاجی اسلوب اپناتے ہوئے قرآن

اور مختلف جدید علوم کے درمیان موافقت کی راہیں تلاش کر کے یہ ثابت کیا ہے قرآن ہو یا سائنس دونوں ایک ہی حقیقت کی تلاش میں ہیں۔

تحقیق کا مقصد:

اس تحقیق کا بنیادی مقصد نصوص کی تعبیر و تشریح کے حوالے سے علامہ اقبال کے اسلوب کو نمایاں کرنا ہے۔ تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ علامہ اقبال رح کے طریق تعبیر و تشریح نصوص کے کون سے پہلو قابل تحسین اور قابل تقلید ہیں اور کونسے پہلو قابل تردید اور قابل تنقید ہیں۔ اسی طرح اس بات کی بھی وضاحت ہو جائے گی کہ اس حوالے سے کہاں پر وہ روایت کی پیروی کرتے ہیں اور کہاں پر غیر روایتی موقف اختیار کرتے ہیں۔

طریقہ تحقیق:

اس بیانیہ اور تجزیاتی تحقیق میں علامہ اقبال رح کی تصانیف سے براہ راست اور ان کی فکر پر لکھی جانے والی کتب سے متعلقہ اقتباسات کو اخذ کر کے یہاں پر جمع کیا گیا ہے۔ کچھ اقتباسات علامہ اقبال رح کے موقف کی حمایت کرتے ہیں اور کچھ اقتباسات کے ذریعے فکر اقبال پر ہونیوالے اعتراضات کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ ان کو نقل کرنے کے بعد محقق نے اپنا تجزیہ کیا ہے۔

کہیں پر آیات قرآنیہ سے براہ راست استدلال کرتے ہیں تو کہیں پر وہ موقف کو ثابت کرنے کے لیے قرآنی آیات کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔

سابقہ تحقیق کا جائزہ:

مولوی محمد نذیر، علامہ اقبال رح کے اسلوب کے بارے میں لکھتے ہیں:

اقبال رح کی جدت طرازی یہ ہے کہ اس نے بواطن معانی کو بیک وقت فلسفیانہ،

صوفیانہ اور مجتہدانہ رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اس نے تعقل، تفکر اور تدبیر

سے کام لے کر قرآن مجید کو سمجھنے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب ہوا۔⁽¹²⁾

قرآن کے نزول سے لے کر آج تک ہزاروں کی تعداد میں قرآن حکیم کی تفاسیر لکھی گئیں۔ ہر مفسر نے اپنے ذوق اور ترجیح کے مطابق قرآن حکیم کی تفسیر کی۔ کسی نے فقہ کو بنیاد کر حکمی تفسیر لکھی تو کسی نے فلسفہ کو بنیاد کر کلامی تفسیر لکھ ڈالی۔ اسی طرح صوفیاء نے صوفیانہ علوم و معارف قرآن سے اخذ کرنے کے لیے اشاری اور صوفیانہ نوعیت کی تفسیروں کی طرح ڈالی۔ دور حاضر میں سائنسی نوعیت کی تفاسیر بھی درجنوں کی تعداد میں منظر عام پر آچکی ہیں۔ علامہ اقبال نے ایسی تمام تفاسیری اسلوب سے خوشہ چینی کرتے ہوئے قرآن کی تعبیر و تفسیر کی ہے۔ علامہ اقبال کو انسانی

زندگی اور اسلام کے تعلق کے درمیان جو مقامیت اور عالمگیریت کے اثرات ہیں وہ ان سے بخوبی واقف تھے۔ انہیں اس بات کا بھی گہرا احساس تھا کہ انسانی فکر کے ارتقاء میں قرآن حکیم جیسی آفاقی کتاب کو کس طرح جدید پیرائے میں پیش کر کے اسے ہمیشہ کے لیے انسانی ذہن و زندگی سے متعلق رکھا جاسکتا ہے۔

نذیر، علامہ اقبال کی فکر کو بنیاد بنا کر قرآنی آیات کی وسعت اور انسانی ذہن کے ارتقاء کے بارے میں لکھتے ہیں:

ماہر فلکیات کے قول کے بموجب جس طرح بہت سارے ستاروں کی روشنی باوجود اپنی مخصوص رفتار کے ہنوز کرہء ارض تک نہیں پہنچی۔ اسی طرح قرآن مجید کی آیات کا مفہوم بھی پورے طور پر ابھی ظاہر نہیں ہو سکا۔ جوں جوں زمانہ گزرتا چلا جا رہا ہے۔ کلام الہی کے رموز و نکات انسان کے ذہنی ارتقاء کی مناسبت سے دنیا والوں پر منکشف ہوتے چلے جا رہے ہیں۔⁽¹³⁾

غلام احمد پرویز کلام اقبال رح اور قرآن کے باہمی تعلق کے بارے میں لکھتے ہیں:

ایک تعلیم یافتہ نوجوان جو مذہب سے بیگانہ ہی نہیں بلکہ متنفر ہو چکا ہو لیکن کلام اقبال سے اسے کچھ ذوق ہو اس کے سامنے اگر قرآن کریم کو اس کی اصلی شکل میں پیش کر دیا جائے تو وہ اسے ایک جانی پہچانی حقیقت محسوس کرنے لگتا ہے۔⁽¹⁴⁾

جیسے کہ مسلم ادبا و شعراء پر قرآن اور نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کا اثر واضح شکل میں نظر آتا ہے۔ مگر کسی کتاب یا مصنف سے شعوری طور پر متاثر ہونا ایک بات ہے اور اسے تحت الشعور کے اندر جذب کرنا دوسری بات۔ تحت الشعور کی سطح پر کسی کتاب یا انسان کا اثر جب جزو شخصیت بن جاتا ہے تو یہ اثر قبول کرنے والے کے انداز فکر و نظر کو بدل رکھ دیتا ہے۔ وہ سوچتا ہے تو اسی زاویہ نگاہ سے سوچتا ہے اور دیکھتا ہے تو اسی عینک سے دیکھتا ہے۔ اس کے سانچے اور حسن و قبح اور خوب و ناخوب کے معیار بھی اسی منبع فیضان سے برآمد ہوتے ہیں۔

نذیر لکھتے ہیں:

قلب نبوت و رسالت اور ضمیر انسانی کے فرق کو جس شاعرانہ لطافت سے اقبال نے بیان کیا ہے وہ اسی کا حصہ ہے۔ امام فخر الدین رازی اور علامہ جلال الدین سیوطی نے قرآن مجید کی آیات کی تفسیر اپنے اپنے زمانہ کے مطابق کی ہے۔ اقبال نے علم دین حاصل کرنے کے لئے لوگوں کی توجہ صرف اسی طرف منعطف کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ جس طرف سمجھ بوجھ رکھنے والے لوگوں کو کلام اللہ میں

دعوت دی گئی ہے۔ کہ ہر شخص خود غور کرنے کے بعد نتائج کا استنباط کرے۔ اس کا

مقصد بصیرت انسانی کو ابھارنا ہے۔⁽¹⁵⁾

مندرجہ بالا اقتباسات میں علامہ اقبال رح کے قرآن سے تعلق اور اس بارے میں دیگر مفکرین کی آراء روشنی ڈالی گئی ہے۔ تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ دیگر معاصر شخصیات کی نظر میں علامہ اقبال رح کا قرآن سے استفادہ کرنے کی کوشش کو کس نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ کیا تعبیر و تشریح کی یہ کوشش مقبول ہے یا مردود ہے؟ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اقبال رح کا پورا پیغام قرآن حکیم ہی کی تعلیم کی تفسیر ہے تو فکر اقبال رح پر قرآن کریم کی روشنی میں تمام و کمال تبصرہ ناممکن ہے جب تک پورے کا پورا قرآن سامنے نہ لایا جائے۔

قرآن سے جدید علوم ومفاهیم اخذ کرنے کے حوالے سے متقدمین کی آراء

قرآن میں غور و فکر کرنے اور اس میں مختلف علوم موجود ہونے کے بارے میں امام غزالی رح فرماتے ہیں:

جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ قرآن کا معنی آیت کے لفظی اور ظاہری ترجمہ کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے وہ یہ جان لے کہ اگرچہ اپنی فہم اور اپنی معلومات کی حد تک وہ درست سمجھتا ہے مگر درحقیقت وہ خطا پر ہے۔ اس لیے کہ اخبار و آثار و دلالت کرتے ہیں کہ ارباب فہم کے لیے معانی قرآن کا دائرہ بہت وسیع ہے، حضرت علی رض نے فرمایا کہ اللہ اپنے بندے کو قرآن کا فہم عطا فرماتا ہے اگر قرآن کے معانی صرف ظاہری ترجمہ و تفسیر تک محدود ہیں تو پھر آخر اس فہم کا کیا مطلب ہے؟ وہ مزید فرماتے ہیں:

بلکہ وہ علوم نظریات ومعقولات جن میں خلایق کی عقلیں دنگ ہیں ان سب کی طرف بھی قرآن میں رموز و اشارات موجود ہیں۔ جو صرف اہل فہم پر روشن ہوتے ہیں۔ قرآن میں تدبر و تفکر کرو اور اس میں عجائب و غرائب تلاش کرو، تم اس میں علوم اولین و آخرین کا مجموعہ پاؤ گے اور یہ فکر تدبر تمہیں اجمال سے تفصیل کی طرف لے جائے گا۔ کیونکہ علوم قرآن ایک بحر ناپید کنا ہے۔⁽¹⁶⁾

امام جلال الدین سیوطی رح بھی قرآن میں غور و فکر کی دعوت دیتے ہوئے اور قرآن کے جامع العلوم ہونے پر بات کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ اللہ کی کتاب ہر چیز پر مشتمل ہے اور جہاں تک انواع علوم کی بات ہے تو کسی علم کا کوئی باب اور کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جس کی طرف قرآن میں اشارہ نہ ہو۔ قرآن میں عجائب المخلوقات ہیں، ملکوت السموات والارض ہیں جو کچھ اعلیٰ اور تحت الثریٰ میں ہے وہ سب کچھ قرآن میں ہے۔⁽¹⁷⁾

قرآن سے جدید علوم ومفاهیم اخذ کرنے کے حوالے سے متاخرین ومعاصرین کی آراء

شیخ طنطاوی الجوهري جو کہ اس جماعت کے روح رواں ہیں جو سائنسی تفسیر کو نہ صرف جائز بلکہ اس کے وجوب اور فرضیت کا فتویٰ دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

اے امت مسلمہ! علم میراث کے بارے میں صرف چند آیات ہیں جو علم ریاضی کا ایک چھوٹا سا شعبہ ہے۔ تمہارا ان سات سو آیات کے بارے میں کیا خیال ہے۔ جن میں دنیا بھر کے عجائبات موجود ہیں۔ یہ سائنس کا زمانہ ہے، یہ اسلام کے ظہور کا زمانہ ہے اور یہ ترقی کا زمانہ ہے۔ تو کیوں کہ ہم ان سات سو آیات کے ساتھ وہی معاملہ کریں۔ جو ہمارے اسلاف نے چند آیات میراث کے ساتھ کیا ہے۔ میں کہتا ہوں، الحمد للہ تم اس تفسیر میں علوم کا خلاصہ اور نچوڑ پاؤ گے۔⁽¹⁸⁾

امام متولی شعر اوی فرماتے ہیں:

قرآن کریم میں وسعت تجد ہے اور یہی وسعت تجد اعجاز قرآن کو مستمر اور مسلسل قائم رکھنے میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ اگر ہم تسلیم کریں کہ قرآن اور اس کے معانی میں یہ وسعت تجد نہیں ہے اور اس کا سارا اعجاز ایک زمانے یا کسی ایک صدی میں ظاہر ہو گیا تو لازم آئے گا کہ آخر کی صدیوں میں بغیر معجزہ کے رہ گیا اور یہ بات قرآن میں جمود و تعطل کے مترادف ہے۔ جبکہ قرآن کسی زمانے میں جامد اور تعطل پذیر نہیں ہوا اور نہ کبھی ہوگا۔⁽¹⁹⁾

سوال یہ ہے کہ نصوص کی تعبیرات جدید پیرائے میں کیوں کی جائے؟ اس کے لیے وہ کونسے معیارات اور پیمانے ہیں جن کا لحاظ رکھا جائے۔ علامہ اقبال رحمہ اللہ اس کے بارے میں کیا معیارات پیش کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ اقبال رح، سائنسی منہج کے فروغ پا جانے اور جدید تہذیب و افکار کے چیلنجز سے نمٹنے کے لیے علم بالحواس (یعنی سائنسی اور عقلی علم) اور علم بالوحی (قرآنی اور وجدانی علم) کے درمیان باہمی توافق پیدا کر کے جدید ذہن کو مذہب اور روایت پسند ذہن کو سائنس کی طرف لانے چاہتے ہیں۔ اس طریق کار کو بروئے کار لا کر وہ ایسی دانش نورانی کی تشکیل کرنا چاہتے ہیں جو اپنے مسائل کو براہ راست قرآن اور ذاتی بصیرت سے حل کرے۔ اس حوالے سے وہ سب سے پہلے علم بالحواس کی ضرورت و اہمیت، پھر علم بالوحی اور وجدان کی حقیقت بتاتے ہوئے یہ ثابت کرتے ہیں کہ مذہبی تجربہ اتنا ہی حقیقی اور قابل اعتبار ہے جتنا سائنسی تجربہ۔

فکر اقبال میں علم بالحواس کی اہمیت اور نصوص کی تعبیرات

سائنسی طریق جو کہ حسی تجربات و مشاہدات پر مبنی ہے۔ علامہ اقبال رح نے اس طریق کا ثبوت قرآن سے اس طرح پیش کیا ہے کہ قرآن، کائنات میں غور و حوض کی دعوت دے کر انسان کو حواس کے ذریعے قدرت کی نشانیوں کو دیکھ کر بھی حقیقت کو پانے کا راستہ بتاتا ہے۔ اس لحاظ سے سائنسی طریق اور قرآنی طریق میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس حوالے سے علامہ اقبال رح نے متعدد آیات پیش کی ہیں جن سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ کائنات کا مقصد یہ ہے کہ انسان عقل و فکر کو بروئے لا کر حقیقت کی کنہ تک پہنچنے کی کوشش کرے۔

ذات و کائنات کے بارے میں حواس کو بروئے کار لاتے ہوئے غور و حوض کرنے کے حوالے سے علامہ اقبال رح درج ذیل آیات پیش کرتے ہیں۔

﴿سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾ (20)

ہم عنقریب انہیں اپنی نشانیاں آٹ۔ رافِ عالم میں اور خود اُن کی ذاتوں میں دکھادیں گے یہاں تک کہ اُن پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہی حق ہے۔ کیا آپ کرب (آپ کی حقانیت کی تصدیق کے لئے) کافی نہیں ہے کہ وہی ہر چیز پر گواہ ہے۔

﴿وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِلْمُوقِنِينَ * وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ * وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ﴾ (21)

اور زمین میں صاحبانِ ایقان (یعنی کامل یقین والوں) کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں اور خود تمہارے نفوس میں (بھی ہیں)، سو کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔ اور آسمان میں تمہارا رزق ہے اور وہ (سب کچھ بھی) جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

﴿وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ ۖ بَلَا وَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ ۖ بَلَا وَهُمْ أَذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ ۖ بَلَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ ۖ بَلَا هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ﴾ (22)

اور بیشک ہم نے جہنم کے لئے جنوں اور انسانوں میں سے بہت سے (افراد) کو پیدا فرمایا ان کے دل ہے لیکن ان سے سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں مگر ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں پر ان سے سنتے نہیں یہ لوگ چار پایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بھٹکے ہوئے۔ یہی وہ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

قرآن نے یہ تکرار فکر و استدلال کی اس قدر دعوت عام دی ہے کہ غور و حوض سے اجتناب کرنے والوں کو چوپایوں سے ابتر قرار دیا ہے اور جہنم کا سزاوار ٹھہرایا ہے۔ قرآن کے الفاظ میں :

قرآن نے بارہا غور و فکر کی دعوت دی ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے :

﴿أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا * وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوْ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (23)

تو کیا وہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے، اور اگر یہ (قرآن) غیر خدا کی طرف سے (آیا) ہوتا تو یہ لوگ اس میں بہت سا اختلاف پاتے۔ اور جب ان کے پاس کوئی خبر امن یا خوف کی آتی ہے تو وہ اسے پھیلا دیتے ہیں اور اگر وہ (بجائے شہرت دینے کے) اسے رسول (ﷺ) اور اپنے میں سے صاحبان امر کی طرف لوٹا دیتے تو ضرور ان میں سے وہ لوگ جو (کسی) بات کا نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں اس (خبر کی حقیقت) کو جان لیتے، اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو یقیناً چند ایک کے سوا تم (سب) شیطان کی پیروی کرنے لگتے۔

مندرجہ بالا آیات میں غور و فکر کے بعد دوسری آیت میں "يَسْتَنْبِطُونَهُ" کا صیغہ استعمال ہے۔ دیگر علماء کی طرح علامہ اقبال رح نے بھی قرآنی آیات سے استدلال کرنے کے معنی مراد لیتے ہوئے یوں گویا ہیں:

قرآن کا مقصود یہ ہے کہ انسان اپنے استدلال کی بدولت کائنات کی مادی حیاتیاتی اور ذہنی سطحوں میں چھپی خدائے بزرگ و برتر کی نشانیں کو پہچانے تاکہ اسے ایمان بالغیب کی ہدایت سمجھ میں آسکے۔

علامہ فرماتے ہیں:

یہ کوئی جامد کائنات نہیں ہے، نہ ہی کوئی ایسی شے ہے جو مکمل ہو چکی، جو نہ حرکت کر سکتی ہے اور نہ اس میں تغیر آسکتا ہے اس کی ہستی کی گہرائی میں شاید ایک نئی پیدائش کا خواب مضمر ہے۔ (24)

علامہ اقبال قرآنی آیات کے حوالے سے واضح کرتے ہیں کہ یہ کائنات بے مقصد نہیں اور نہ کوئی کھیل تماشہ ہے اور نہ کوئی تکمیل شدہ مظہر ہے جو ناقابل تغیر و تبدل ہے انسان ایک تخلیقی فعالیت ہے جو اپنی گرد و نواح کی بہتری کی خاطر گہری سے گہری آرزو میں شریک ہو کر کبھی ان قوتوں سے موافقت پیدا کر کے اور کبھی ان کو اپنے مقصد میں ڈال کر اپنی اور اس کے ساتھ کائنات کی تقدیر متشکل کر سکتا ہے اقبال کی نگاہ میں قرآن حکیم جا بجا مطالعہ فطرت اور مشاہدہ پراصرار کرتا ہے اسی لیے مسلمانوں نے طبعی علوم کی بنیاد رکھی۔

علامہ اقبال رحمہ اللہ مندرجہ بالا تصریحات سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ قرآنی اسلوب، یونانی فکر کی طرح محض مجرد فکر یا فلسفیانہ بحث و تحیص پر مشتمل نہیں ہے بلکہ یہ ایسا سائنسی عقلی اسلوب ہے جو کائنات و زندگی کے

ٹھوس واقعاتی حقائق و تجربات پر زور دیتا ہے۔ وہ محض مفروضہ یا خیال کی بجائے مشاہدہ اور تجربہ کو زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے قرآن کا علم صرف افکار و خیالات تک محدود نہیں بلکہ یہ زندگی میں تجربیت اور عملیت کا عنصر داخل کر کے اپنے آپ کو لوگوں کے لیے قابل قبول اور فعال آفاقی قوت بنادیتا ہے جس کے مکان کی نہ کوئی حد ہے اور نہ ہی زمان کی یہ قیامت تک کے انسانوں کے لیے رہبر و رہنما اور زندہ حقیقت کی حیثیت رکھتا ہے اس کا نظریہ علم اور اسلوب علم ہر زمانے کے تمام انسانوں کے نہ صرف متعلق ہے بلکہ ان کے لیے مثالی رہبر و رہنما بھی ہے۔

سائنسی تعبیرات کا دائرہ کار

علامہ اقبال نے سائنسی نظریات کی قرآنی افکار سے تطبیق کے لیے متعدد آیات سے استدلال کیا ہے۔ بعض استدلالات سے آپ پر تنقید بھی کی گئی ہے کہ علامہ اقبال رح ظاہری معانی سے ہٹ کر غیر روایتی مفہیم اختیار کرتے ہیں۔ قرآن کی سائنسی تعبیرات کے حوالے سے صرف علامہ اقبال رح نے ہی کاوش کی ہے بلکہ دیگر کئی متجدد مفسرین کرام نے بھی ایسا ہی اسلوب اختیار کیا ہے۔ بہر حال اس حوالے سے چند ایک شرائط کا لحاظ رکھنا انتہائی ضروری ہے۔

سید الحق بدایونی قرآنی کی سائنسی تعبیرات کے حوالے سے چند شرائط کا ذکر کرتے ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے:

نصوص قرآن کے ظاہر کی صرف اسی وقت تاویل کی جاسکتی ہے جب کوئی قطعی سائنسی حقیقت موجود ہو، کسی سائنسی نظریہ یا مفروضہ کی خاطر نص کو ظاہر سے نہیں پھیرا جاسکتا۔ کسی سائنسی نظریہ کا کسی آیت سے تطبیق کرتے وقت اس موضوع سے متعلق قرآن حکیم کی تمام آیات کو سامنے رکھنا، پہلے ان کا ایک معنی متعین کر کے پھر استنباط کیا جائے تاکہ تضاد کا احتمال نہ ہو۔ اسی طرح نحوی اور صرفی قواعد اور اصول بلاغت کی رعایت کرتے ہوئے شان نزول کا بھی خیال رکھا جائے۔⁽²⁵⁾

عہد جدید کے بعض مفکرین و مفسرین قرآنی و سائنسی نظریات میں تطبیق و موافقت کی راہ تلاش کرنے کو اس لیے بھی معیوب سمجھتے ہیں کہ سائنسی نظریات بدلتے رہتے ہیں جبکہ قرآنی احکامات ابدالآباد ہیں تو ان نظریات کا قرآن سے استخراج یا انطباق کیسے درست عمل ہو سکتا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ قرآن حقائق کو یکسر رد کرتا ہے یا قرآن و سائنس میں باہم تضاد پایا جاتا ہے۔ اس حوالے سے صابر ایوب کی تصریح بر محل ہے۔

صابر، وحید عشرت کے مندرجہ ذیل موقف کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ڈاکٹر موصوف کا یہ موقف کہ "قرآن حکیم موجودہ تمام سائنسی حقائق کو مسترد کرتا ہے"، ایک اور بڑی غلط فہمی ہے۔ یہ درست ہے کہ فلسفے کے نظریات اوتے بدلتے رہتے ہیں، سائنسی نظریات میں بھی تبدیلی کا عمل جاری ہے، لیکن

مشاہدہ و تجربہ کی کسوٹی پر بار بار پرکھے جانے کے بعد جب کوئی نظریہ، قانون کلیہ کا درجہ حاصل کر لیتا ہے تو تبدیل نہیں ہوتا۔ مثلاً یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ پانی اپنی سطح برقرار رکھتا ہے یا یہ کہ اجرام فلکی اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں یا کشت اور حرکت کے قوانین ہیں جن میں کسی تبدیلی کا امکان نہیں ہے۔ ایسی کوئی ثابت شدہ حقیقت نہیں ہے جسے قرآن حکیم نے مسترد کیا ہو۔ اسی طرح قرآن حکیم میں علم بالحواس سے متعلق جو ضمنائاً بیانات آگئے ہیں ان میں سے کسی ایک بیان کی تردید آج تک کسی ثابت شدہ سائنسی حقیقت سے نہیں ہوئی۔⁽²⁶⁾

فکرِ اقبال میں نصوص سے تجربیت یا علم بالوجدان کی تعبیر:

علامہ اقبال رحمہ اللہ نے حواس کو ہی ذریعہ علم سمجھنے والے یعنی محسوس و معقول کے خوگر کو ایک اور ذریعہ علم کی طرف توجہ دلائی ہے۔ جسے علم بالوجدان کہا جاتا ہے۔ علامہ اقبال رحمہ اللہ نے اسے علم بالحواس کے متبادل علم بالوحی کا نام بھی دیا ہے۔ اگرچہ لفظ "علم بالوحی" کے استعمال سے ان پر کئی ایک اعتراض بھی وارد کیے گئے ہیں۔ جن کا حسب ذیل میں مختصراً جائز بھی لیا جائے گا۔ بہر حال "وجدان" کو صوفیانہ روایت میں اساسی اہمیت حاصل ہے۔ صوفیانہ سلاسل کی مختلف کتب تصوف ایسے کشف والہام سے بھری پڑی ہیں جو کہ بذریعہ وجدان حاصل کیے گئے۔

علامہ اقبال رحمہ اللہ نے درج ذیل آیت کریمہ سے وجدان کا تصور اخذ کیا ہے۔

﴿ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ﴾۔⁽²⁷⁾

پھر اس (میں اعضاء) کو درست کیا اور اس میں اپنی روح (حیات) پھونکی اور تمہارے لئے (رحم مادر ہی میں پہلے) کان اور (پھر) آنکھیں اور (پھر) دل و دماغ بنائے، تم بہت ہی کم شکر ادا کرتے ہو۔

یہاں پر "افئدہ" کا لفظ قابل توجہ ہو۔ جس کا معنی قلب یا دل ہے۔ علامہ اقبال رحمہ اللہ نے دیگر ائمہ و مفسرین کی طرح اس سے مراد وجدانی استعداد بصیرت لیا ہے۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ قلب کے بارے میں لکھتے ہیں:

دل سے مراد ذہن ہے جو حواس کے ذریعے سے حاصل شدہ معلومات کو مرتب

کر کے ان سے نتائج نکالتا ہے اور عمل کی مختلف امکاناتی راہوں میں سے کوئی ایک راہ

منتخب کرتا ہے اور اس پر چلنے کا فیصلہ کرتا ہے۔⁽²⁸⁾

علامہ اقبال رحمہ اللہ حسی تجربہ سے ماوراء مذہبی تجربے کی حقیقت اور حسی تجربہ و مشاہدہ کے ساتھ اس کا تعلق ظاہر کرتے ہوئے درج ذیل آیات کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں:

﴿وَاللَّهُ أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ (29)

اور اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے (اس حالت میں) باہر نکالا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے اور اس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تاکہ تم شکر بجالاؤ۔

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْنُونًا﴾ (30)

اور (اے انسان!) تو اس بات کی پیروی نہ کر جس کا تجھے (صحیح) علم نہیں، بیشک کان اور آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک سے باز پرس ہوگی۔

مندرجہ بالا آیات میں بھی "افئدة" اور "فؤاد" سے مراد وہ ایسی وجدانی صلاحیت مراد لیتے ہیں جس میں تعقل اور تفکر کا عنصر وہی طور پر موجود ہے۔ علامہ اقبال رح نے اس وجدانی صلاحیت کے لیے اپنے فکر و شعر میں "ضمیر" کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔

علامہ اقبال رحمہ اللہ قرآنی تفہیم و تعبیر میں انسان کے ضمیر اور اسکی ذاتی و انفرادی حیثیت کو غیر معمولی اہمیت دیتے ہیں۔ وہ ضمیر انسانی کو قرآنی آیات پر دلیل قرار دیتے ہیں۔ وہ جدید دور کے انسان کو مخاطب کر کے یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ ضروری نہیں کہ تیرے مسائل کا حل صرف سابقہ مفسرین کے پاس ہو بلکہ تیرا ضمیر اس کام کے لیے کافی ہے کہ وہ خدا واد صلاحتیوں کو استعمال کر کے تیری مشکل کشائی کر سکے۔ اس بات کا اظہار آپ اس طرح فرماتے ہیں:

رازی معنی قرآن چہ پرسی

ضمیر مابا یا تش دلیل است (31)

(تو اہم رازی سے قرآن کے معنی کیوں پوچھتا ہے؟ قرآن کی آیات پر خود ہمارا ضمیر دلیل ہے۔)

اسی طرح علامہ اقبال بندہء مومن جو کہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے اسے مخاطب کر کے اپنے ضمیر اور قرآن پر نگاہ ڈالنے کی تلقین کر رہے ہیں تاکہ وہ اپنے حالات کا سامنا کرتے ہوئے قرآن سے ایک ایسا جدید زمانہ اخذ کر لے جو اس کے لیے کافی و دانی ہو:

چون مسلمانان اگر داری جگر

در ضمیر خویش و در قرآن نگر
صد جهان تازه در آیات اوست
عصر با پیچیدہ در آنات اوست
یک جہانش عصر حاضر را بس است
گیر اگر در سینہ دل معنی رس است
بندہ مومن ز آیات خداست
ہر جہاں ہر او چون قباست
چون کہن گردد جہانے در برش
می دہد قرآن جہانے دیگرش⁽³²⁾

(اگر تو مسلمانوں کا سا حوصلہ سا رکھتا ہے تو اپنے ضمیر اور قرآن پاک پر نگاہ ڈال۔ اسکی آیات میں کئی تازہ جہان موجود ہیں؛ اس کے زمان میں بہت سے ادوار مضمر ہیں۔ عصر حاضر کے لیے قرآن پاک سے لیا گیا ایک جہان کافی ہے؛ اگر تیرے سینے میں معنی رس دل ہے تو وہ جہان لے لے۔ بندہ مومن اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے ایک آیت ہے، اس کی قامت پر ہر جہان قبا کی طرح سج جاتا ہے۔ جب اس کے ایک جہان کی قبا پرانی ہو جاتی ہے تو قرآن پاک اسے نیا جہان عطا کر دیتا ہے۔)

وجدان و وحی جسے علامہ اقبال رح نے زندگی کی خاصیت قرار دیا ہے، ابوالکلام آزاد ذی ارواح میں اس الہام و وجدان کی موجودگی اور اس کے کردار کے بارے میں لکھتے ہیں:

وجدان کی ہدایت یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں ہر مخلوق کی طبعیت میں کوئی ایسا اندرونی الہام موجود ہے جو اسے زندگی اور پرورش کی راہوں پر خود بخود لگا دیتا ہے اور وہ باہر کی رہنمائی و تعلیم کی محتاج نہیں ہوتی۔ انسان کا بچہ ہو یا حیوان کا جو نہی شکم مادر سے باہر آتا ہے خود بخود معلوم کر لیتا ہے کہ اس کی غذا ماں کے سینے میں ہے۔ بلاشبہ یہ ربوبیت الہی کی وجدانی ہدایت ہے۔ جس کا الہام ہر مخلوق کے اندر اپنی نمود رکھتا ہے اور جو ان پر زندگی اور پرورش کی تمام راہیں کھول دیتا ہے۔⁽³³⁾

اسی طرح حواس و وحی کا فطرت و مخلوق کے ساتھ تعلق بیان کرتے ہوئے آزاد لکھتے ہیں:

حواس و ادراک کی یہ ہدایت ہر حیوان کے لیے ایک ہی طرح کی نہیں ہے بلکہ ہر وجود کو اتنی ہی اور ویسی ہی استعداد دی گئی ہے جتنی اور جیسی استعداد اس کے احوال و ظروف کے لیے ضروری تھی۔ چوٹی کی قوت شامہ نہایت دور رس ہوتی ہے اس لیے کہ اسی قوت کے ذریعے وہ اپنی غذا حاصل کر سکتی ہے۔ یہ سوال بالکل غیر ضروری ہے کہ حیوانات کے حواس و ادراک کی یہ حالت اول دن سے تھی یا احوال و ظروف کی ضروریات اور قانون مطابقت کے مؤثرات سے بتدریج ظہور میں آئی۔ اس لیے کہ خواہ صورت ہو بہر حال فطرت کی بخشی ہوئی استعداد ہے اور نشو و ارتقاء کا قانون بھی فطرت ہی کا ٹھہرایا ہوا قانون ہے۔⁽³⁴⁾

مندرجہ بالا تصریحات سے یہ بخوبی واضح ہوتا ہے کہ قلب یا فواد نہ صرف بصیرت و ادراک کی صلاحیت رکھتا ہے بلکہ اس کے اندر ایسی فاعلانہ صفت موجود ہے کہ یہ حاصل شدہ علم میں ترتیب پیدا کر کے اس سے کوئی خاص قسم کا نتیجہ اخذ کر سکے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا قلب یا وجدان جو کہ تفکر و تعقل کی انتہائی صورت ہے، اس میں یہ صلاحیت ہے کہ براہ راست حقیقت کا ادراک یا نصوص کی تعبیر کر سکے۔

مندرجہ ذیل اقتباس سے اس بات کا جواب اخذ کیا جاسکتا ہے۔ کہ کس طرح الہام یا وجدان علم اور تعبیر نص کا ذریعہ ہے۔ قرآن نے منطقی، حسی اور وجدانی تینوں ذرائع علم کو معتبر قرار دیا ہے۔ لامحالہ وجدانی استعداد کے ذریعے قرآنی نصوص کی تعبیرات کی جاسکتی ہیں۔ بشرطیکہ وہ قرآن و سنت کے مزاج اور اس کی روح کے مخالف و متضاد نہ ہوں۔ الماس، مسلم استقرائی استدلال کی وضاحت کرتے ہوئے قرآن میں بیان کردہ نظری و منطقی، حسی و تجربی اور الہامی و وجدانی علوم کے بارے میں لکھتے ہیں:

عربوں کا استقراء خالصاً حیات و مدرکات پر موقوف تھا۔ وہ کبھی بھی یونانیوں کی طرح ویسے مجرد تصورات وضع نہ کر پائے جو مریات و محسوسات سے متمایز ہوں۔ ان کی فکر میں حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات الہیہ کی تبلیغ و ترویج سے انقلابی تبدیلی رونما ہوئی کیونکہ قرآن نے علم کو بالترتیب تین درجوں پر محیط کیا جن میں سے ہر دو سرادر جہ پہلے سے زیادہ یقین کا امین ہے۔ ان میں سے علم الیقین کا علاقہ استخراجی اور استقرائی نوعیت کے منطقی استدلال سے، عین الیقین کا علاقہ سائنسی تجربات و تحقیقات اور تاریخی حالات و واقعات پر مبنی بیانات و دستاویزات سے اور حق الیقین کا علاقہ خود شناسی اور مشاہدہء باطن جیسی انسانی خصوصیات سے ہے۔ غور کیا جائے تو قرآن کی دعوت علم کے اس ہر

درجے میں استقرائی استدلال کا اشارہ ملتا ہے، جسے بغرض سہولت نظری و منطقی، حسی و تجربی اور الہامی و وجدانی کے عنوانات سے عبارت کیا جاسکتا ہے۔

علامہ اقبال علم کے بارے میں انہی تین قرآنی درجوں اور اسالیب کو مد نظر رکھ نہ صرف خود استدلال اور استخراج کا ایسا اسلوب اپناتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی یہ اسلوب تعبیر اپنانے کی تلقین کرتے ہیں۔

ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کا اعتراض

صوفیانہ وجدان کی فلسفیانہ تفتیش کے لیے علامہ اقبال ابن صیاد کے وجدان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے جائزے کو بطور سند کے پیش کرتے ہیں:

ابن صیاد، مدینے کے یہودی خاندان کا ایک فرد تھا۔ وہ جادو اور کہانت کے فن میں خوب تربیت یافتہ تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ ابن صیاد کی طرف تشریف لے گئے۔ انہوں نے اسے بنو مفلحہ کے گھر میں بچوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے پایا۔ اُس وقت ابن صیاد بلوغت کے قریب پہنچ گیا تھا لیکن کوئی فیصلہ کن رائے نہ رکھتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اس کی پیٹھ ٹھونکی اور دریافت فرمایا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ تو اس نے رسول اللہ ﷺ کی طرف دیکھا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اُمیتوں کے لیے رسول ہیں؛ یعنی یہودیوں کے لئے نہیں۔ پھر ابن صیاد: بولا کیا آپ شہادت دیتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتا ہوں۔ اس کے بعد رسول اللہ نے ابن صیاد سے دریافت فرمایا کہ تم کیا دیکھتے ہو؟ اس نے کہا جو کچھ میری سمجھ میں آتا ہے وہ سچ بھی ہوتا ہے اور جھوٹ بھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا معاملہ خلط ملط ہو گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

میں اپنے دل میں کوئی بات رکھتا ہوں تم بتاؤ اگر بتا سکو۔ جو کچھ آنحضرت ﷺ نے اپنے دل میں پوشیدہ رکھا تھا وہ سورہ دخان کی یہ آیت تھی: ﴿يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِينٍ﴾ (10:44) ابن صیاد نے کہا ہوا الدخ رسول ﷺ نے فرمایا: جاتو اس سے آگے نہ جاسکے گا۔ (35)

علامہ اقبال رحمہ اللہ نے اس امتیاز کو پیش نظر نہیں رکھا جو خدا کی ہستی کے وجدان اور اس قسم کے وجدان میں ہے جو ابن صیاد کو حاصل تھا اور علامہ اقبال یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ وجدان میں احتمال خطا ہے، وجدان کو حقیقت حقہ کے علم کا ذریعہ تسلیم کرنے پر مصر ہیں۔

علامہ اقبال رحمہ اللہ کا بھی یہ مطمئنہ نظر نہیں ہے کہ ابن صیاد کا وجدان قابل اعتماد ہے۔ وہ تو صرف اسے بطور غیر عقلی تعینات کے پیش کر رہے ہیں۔ جس کا مقصد عقل سے ماوراء ذرائع کو ثابت کرنا اور وجدان کو ایک عام حقیقت کے طور پر پیش کرنا ہے۔

حدیث زمان کی تعبیر

شبیر احمد خان، حدیث کے حوالے سے علامہ اقبال رح کے مؤقف پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لا تسبوا الدهر" کے الفاظ مختلف روایات میں جو بھی رہے ہو مگر اس کے معنی میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔ اس کے معنی "دہر" کو برامت کہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی مقلب دہر اور حوادث روزگار کا فاعل ہے۔ "جبکہ اقبال کے بقول پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا کہ زمانہ کو برامت کہو وہ کیونکہ زمانہ خدا ہے۔ مگر یہ حدیث کے پس منظر، ماحول اور ان سب سے زیادہ قرآن کریم کی بنیادی تعلیم سے جو اسلامی فکر کا اصل الاصول ہے بے اعتنائی کا نتیجہ ہے۔⁽³⁶⁾

علامہ اقبال رحمہ اللہ نے حدیث کا ترجمہ: Do not vilify time, for time is God درست کیا ہے۔ ترجمہ بہر حال یہی ہے۔ "اللہ تعالیٰ ہی مقلب دہر اور حوادث روزگار کا فاعل ہے"۔ ترجمہ نہیں تاویل ہے۔ یہ تاویل غلط نہیں ہے لیکن بہر حال تاویل ہے اور تاویل کا حق علامہ اقبال کو بھی ہے۔ اقبال رح نے دہر کو خدا (بمعنی اللہ تعالیٰ کی ذات) قرار نہیں دیا:

خرد ہوئی زمان و مکان کی زناری

نہ ہے زمان نہ مکان! لا الہ الا اللہ!⁽³⁷⁾

مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے بھی تصریح کی ہے کہ اقبال زمان کا اطلاق ذات الہیہ پر نہیں کرتے۔⁽³⁸⁾

ڈاکٹر البھی کی تنقید

مولانا سعید اکبر آبادی لکھتے ہیں:

ڈاکٹر محمد البھی کا ایک اعتراض یہ ہے کہ علامہ اقبال نے روح اور اس کے ملکات و قویٰ سے جو بحث کی ہے اس کے لیے علامہ اقبال رح نے استدلال قرآن کی آیت ویسئلونک عن الروح قل الروح من أمر ربی سے کیا ہے۔ ڈاکٹر محمد البھی کہتے ہیں "یہ استدلال غلط ہے کیونکہ آیت میں روح کا لفظ جو دو مرتبہ آیا ہے اس سے

مراد روح یا نفس نہیں بلکہ قرآن ہے اور دلیل یہ ہے کہ اس آیت کے سیاق و سباق میں قرآن کا ذکر موجود ہے۔

اس کے بعد مولانا موصوف لہجی کے موقف کی تردید اور علامہ کے موقف کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

علامہ ابن قیم، شاہ ولی اللہ، شبیر احمد عثمانی اور دوسرے مفسرین نے روح کی حقیقت کا مدار قرآن مجید کی اسی آیت کو بنایا ہے۔⁽³⁹⁾

الطاف اعظمی لکھتے ہیں:

اسلامی تعلیمات کا ماخذ کسی انسان کا ذہن نہیں ہے بلکہ اس کا مصدر و ماخذ ذات مطلق یعنی اللہ ہے جہاں کسی نوع کا کوئی تغیر و تبدل ممکن نہیں ہے۔ قرآن مجید میں عقاید کے اثبات میں جو دلائل دیے گئے ہیں وہ فطری بھی ہیں اور برہانی بھی، اور وہ ہر دور کے انسانوں کے لیے حسب استعداد اطمینان بخش ہیں بشرطیکہ غور و تدبر سے کام لیا جائے جس کی تلقین قرآن مجید کی متعدد آیات میں موجود ہے۔ سائنسی علوم کی تحقیقات اور ان کے بیانات کو اسلامی فکر کی تائید میں لایا جاسکتا ہے نہ کہ اس کی روشنی میں فکر اسلامی کی تشکیل جدید ہو جیسا کہ اقبال نے لکھا ہے۔⁽⁴⁰⁾

الطاف اعظمی لکھتے ہیں:

اقبال کے مطالعے کی یہ غلطی ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کی آیات سے استدلال کرتے وقت ان کے سیاق و سباق کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ سرسری مطالعے میں جو بات ان کی سمجھ میں آگئی اسی پر بحث و استدلال کی عمارت کھڑی کر دی ہے۔ صاف محسوس ہوتا ہے کہ آیات کا مطلب کھینچ تان کر نکالا گیا ہے بلکہ بعض مقامات پر دانستہ تحریف کا گمان ہوتا ہے۔ اس بنا پر ان کے دلائل جن کا تعلق نصوص قرآن سے ہے ساقط الاعتبار ہیں۔⁽⁴¹⁾

علامہ اقبال کا اسلوبِ تعبیر

علامہ اقبال رح کے اسلوبِ تعبیر سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ کلامی اور اشاری نوعیت کا ہے۔ جس میں آیات کی تفہیم و تعبیر فلسفیانہ اور باطنی انداز میں کی گئی ہے۔ علامہ اقبال رح نصوص کی عقلی تعبیر کرتے ہوئے یہ کوشش کرتے ہیں کہ وہ ایسے معانی اختیار کریں جن کی بنیاد پر نصوص کو عہدِ حاضر کے انسان کے لیے قابلِ فہم اور قابلِ قبول بھی بنایا جاسکے اور روایت سے تعلق بھی نہ ٹوٹے پائے۔ اسی مقصد کے تحت انہوں نے عقل نورانی یعنی وجدان کو بروئے کار لانے کی تلقین کی ہے۔

امام زر قانی رح نے اشاری تفسیر کو درج ذیل شرائط کے ساتھ درست اور جائز قرار دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

۱۔ یہ نظم قرآن کے منافی نہ ہو

- ۲- اس میں یہ دعوٰی نہ کیا جائے کہ صرف یہی مراد الہی ہے۔
- ۳- اس میں تاویل بہت بعید کی نہ ہو جیسا کہ بعض مفسرین اللہ تعالیٰ کے فرمان: **وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ** میں یہ دعوٰی کرتے ہیں کہ "لمع" فعل ماضی ہے اور "محسنین" اس کا مفعول ہے۔
- ۴- یہ شرعی اور عقلی اصولوں کے مخالف نہ ہو۔
- ۵- شرعی اصول اس تاویل کی تائید کرتے ہوں۔⁽⁴²⁾

غلام شمس الرحمن، اشاری تفسیر کی شرائط اور اس کے دائرہ کار پر بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اہل علم کے نزدیک تفسیر اشاری بنیادی شرائط پر پوری اترتی ہو تو وہ درست ہے۔ تاہم اگر وہ ظاہر نص کے خلاف ہو اور اس بات پر اصرار نہ کیا جائے کہ صرف وہی مراد الہی ہے چونکہ یہ تفسیر وجدانیات سے تعلق رکھتی ہے اور وجدانیات کا تعلق قلب پر وارد ہونے والی روحانی کیفیات سے ہے لہذا اس کی بنیاد دلیل کے بجائے وجدان پر ہے جس کا صحیح تناظر صوفی ہی جان سکتا ہے چنانچہ ایسی تاویل صرف انہی صوفیاء کے لیے قابل عمل ہے جن پر یہ کیفیت طاری ہوئی ہے۔⁽⁴³⁾

خلاصہ کلام:

قرآن حکیم کے تراجم و تفاسیر اور تعبیرات میں فرق و اختلاف ہمیشہ رہا ہے۔ اس فرق و اختلاف کی وجہ میں مقصد، نقطہ نظر، علمی و فکری سطح اور زمانے کی پیش رفت سبھی شامل ہے۔ مختلف تفاسیر کا وجود ہی اختلاف کی بنیاد پر ہے۔ ہر مفسر و مترجم کی اپنی خاص نگاہ ہوتی ہے۔ علامہ اقبال نے جدید ذہن اور روایت پسند ذہن دونوں کی رعایت کرتے ہوئے ایسا اسلوب اپنایا ہے تاکہ قرآن کے علوم و معارف سے دونوں طبائع یکساں مستفید ہو سکیں۔ قرآن کی ابدیت و واقعیت پر علامہ اقبال رح کا اتنا ہی ایتقان ہے جتنا متقدمین یا متاخرین میں کسی کا بھی تھا۔ فرق صرف زمانہ ہے اور علامہ اقبال رح اسی طرح زمانہ کی رعایت کرتے ہوئے قرآن کے ان باطنی معانی تک رسائی کی کوشش کرتے ہیں جو کہ عصر حاضر کے جدید ذہن کو قرآن کے قریب لاسکیں اور روایت پسند طبقہ کو جدید علوم کے قریب لاسکیں۔ اس مقصد کے لیے علامہ اقبال کی قرآنی تفہیم و تعبیر کی کوشش غیر معمولی اہمیت و افادیت کی حامل ہے۔

(References)

(¹)۔ افریقی، ابن منظور، لسان العرب، بیروت: دار احیاء التراث، (1992ء)، ص 97

- (2)۔ مصطفیٰ، ابراہیم، المعجم الوسيط، مترجم: ابن سرور، مکتبہ رحمانیہ لاہور، 2004ء، ص 1154
- (3)۔ البستانی، بطرس، محیط الجیظ، بیروت: مکتبہ لبنان، 1983ء، ص 896
- (4)۔ شاشی، نظام الدین، "اصول الشاشی"، لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ص 99
- (5)۔ قادری، محمد طاہر، ڈاکٹر، نص اور تعبیر نص، (2013ء)، ص 5
- (6)۔ ابن منظور، لسان العرب، ص 144
- (7)۔ مصطفیٰ، ابراہیم، المعجم الوسيط، ص 1153
- (8)۔ جابر، ولید احمد، تدریس اللغة العربیة عمان: دار الفکر، ص 715
- (9)۔ معروف، نايف، خصائص اللغة العربیة وطرائق تدریسها، دمشق: دار النفائس، ص 598
- (10)۔ العطار، صدق، المعجم المفسر لالفاظ القرآن الکریم، بیروت: دار الفکر، (2010ء)، ص 232
- (11)۔ سورة یوسف: 43
- (12)۔ نذیر، مولوی محمد، "کلام اللہ اور کلام اقبال"، ملتان: ماسٹر محمد منیر حسین پرنٹر، (1971ء)، ص 27
- (13)۔ ایضاً: 14
- (14)۔ پرویز، غلام احمد، "اقبال اور قرآن"، لاہور: طلوع اسلام ٹرسٹ، (1996ء)، ص 4
- (15)۔ نذیر، مولوی محمد، "کلام اللہ اور کلام اقبال"، ص 22
- (16)۔ غزالی، امام محمد (سن) "احیاء العلوم فی الدین"، قاہرہ: مطبوعہ عیسیٰ الحلبي، جلد 1، ص 260
- (17)۔ سیوطی، جلال الدین، (سن) "الاتقان فی علوم القرآن"، قاہرہ: دار المصر للطباعة، ص 476
- (18)۔ طنطاوی، مصطفیٰ الحلبي (سن) "الجواهر فی علوم القرآن" قاہرہ، ص 3/ 19، 20
- (19)۔ شعر اوی، متولی، "معجزة القرآن"، القاہرہ، (1997ء)، ص 86
- (20)۔ سورة فصلت: 53
- (21)۔ سورة الذاریات: 22-20
- (22)۔ سورة الاعراف: 179
- (23)۔ سورة النساء: 83-82
- (24)۔ اقبال، سر محمد، The Reconstruction of Religious Thought، تجدید فکریات اسلام، مترجم وحید عشرت، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، 2002ء، ص 18
- (25)۔ اسید الحق، "قرآن کریم کی سائنسی تفسیر ایک تنقیدی مطالعہ"، دہلی: نتائج الفول اکادمی، (2009ء)، ص 44-46
- (26)۔ صابر، ایوب، "اقبال کی شخصیت اور فکر و فن پر اعتراضات ایک مطالعہ" لاہور: اقبال اکادمی، (2018ء)، ص 1311
- (27)۔ سورة السجدة: 9

- (28)۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، جلد 4، ص 296
- (29)۔ سورۃ النحل: 78
- (30)۔ سورۃ الاسراء: 36
- (31)۔ اقبال، سر محمد، "پیام مشرق" لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز (2004ء)، ص 42
- (32)۔ اقبال، سر محمد، "جاوید نامہ" لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، (1982ء)، ص 71
- (33)۔ آزاد، مولانا ابوالکلام، تفسیر ترجمان القرآن، لاہور: عرفان افضل پریس، (1931ء)، جلد 1، ص 80
- (34)۔ ایضاً
- (35)۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، "صحیح البخاری"، کتاب الجنائز، مترجم: ابراہیم چشتی، دہلی: محمدی بک ڈپو، (1980ء)، ص 1177
- (36)۔ غوری، شبیر، اقبالیات، پٹنہ: خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، 1998ء، ص 36-37
- (37)۔ اقبال، سر محمد، "کلیات اقبال"، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، (2018ء)، ص 527
- (38)۔ اکبر، سعید احمد، خطبات اقبال پر ایک نظر، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 1987ء، ص 62
- (39)۔ اکبر آبادی، سعید "خطبات اقبال پر ایک نظر" سری نگر: مکتبہ جامعہ، (1983ء)، ص 50
- (40)۔ اعظمی، الطاف حسین، "خطبات اقبال ایک مطالعہ" نئی دہلی: ٹرانسٹ پرینٹرز، (2001ء)، ص 15
- (41)۔ ایضاً، ص 16
- (42)۔ الزرقانی، محمد عبدالعظیم، "مناہل العرفان فی علوم القرآن، بیروت: مطبعہ عیسیٰ البابی الحلبی وشرکاء، ج: ۲، ص: ۷۸
- (43)۔ شمس الرحمن، غلام (جولائی - دسمبر 2018ء) "تفسیر اشاری کی روایت و منہج کا اختصا صی مطالعہ"، حسان اوج، "التفسیر"، کراچی، ص: 14